www.iqbalkalmati.blogspot.com
تم کو شاید نہ اعتبار آئے
ریحانہ قمر

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین و اہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر

اشاعت اوّل	:	مئی 2004ء
سرورق	:	نوید عباسی
اہتمام	:	محمد نذیر، طاہر نذیر
مطبع	:	حافظ جمیل پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت	:	**160** روپے
بیرون ملک	:	15 امریکی ڈالر

ڈاکٹر مبشر اور فریال کے نام

اُس کی یادیں بھی بدن اُس کا پہن کر آئیں
جانے والا مجھے پھرتا نظر آیا گھر میں

ترتیب

نمبر	شعر	صفحہ
61	پائل پہن کے جھومنے گانے لگی ہوں میں اُس کی طرف سے خود کو منانے لگی ہوں میں	137
62	پیار میں پاگل ہو جاتے ہیں لوگ مکمل ہو جاتے ہیں	139
63	کہیں ہوں دِل میں کہیں سطرِ انتساب میں ہوں میں اِک طرف کی نہ ہو کر بڑے عذاب میں ہوں	141
64	کیا اُسے قید کرے گا کوئی تدبیر کے ساتھ کبھی خوشبو نہیں باندھی گئی زنجیر کے ساتھ	143
65	ڈھونڈ رہی ہوں تیرا ٹھنڈا سایہ مائے نی سات سمندر پار بھی ہے اِک صحرا مائے نی	145
66	چہرے پہ اُن کے واسطے بادل نہیں کیا ان پاگلوں کو چاند نے پاگل نہیں کیا	147
67	یوں توڑتی رہتی ہیں برابر تری یادیں آئینہ مرا جسم ہے پتھر تری یادیں	149
68	کوئی سنتا ہی نہیں بول رہی ہوں کب سے تیز آندھی میں کھڑی ڈول رہی ہوں کب سے	151
69	میں ہوں سورج کی پرستار مرے ساتھ نہ چل دیکھ اے سایۂ دیوار مرے ساتھ نہ چل	153
70	زنگ برتن کو لگا کپڑے پرانے ہو گئے لڑکیوں کو اپنے گھر بیٹھے زمانے ہو گئے	155
71	کون ہے سورج کون ہے سایہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ کس نے پہلے ہاتھ چھڑایا میں بھی سوچوں کو بھی سوچ	157
72	میں اپنی ضد سے کسی طور ہٹ نہیں سکتی کسی کی ہو کے بھی دُنیا سے کٹ نہیں سکتی	159

محبت سے مکر جانا ضروری ہو گیا تھا
پلٹ کر اپنے گھر جانا ضروری ہو گیا تھا

نظر انداز کرنے کی سزا دینا تھی تجھ کو
ترے دل میں اُتر جانا ضروری ہو گیا تھا

میں سناٹے کے جنگل سے بہت تنگ آ گئی تھی
کسی آواز پر جانا ضروری ہو گیا تھا

میں سسّی کی طرح سوتی رہی اور چل دیے تم
بتا دیتے اگر جانا ضروری ہو گیا تھا

تعاقب خود نہ کرتی تو مرے آنسو نکلتے
میں کیا کرتی قمؔر جانا ضروری ہو گیا تھا

⊙

بہے ہیں اشک نہ اُبھری ہیں سسکیاں میری
ہوا سُناتی پھری ہے کہانیاں میری

مری اُداسی کا جب بھی اُنہیں معلوم ہوا
تمہارا پوچھنے آئیں سہیلیاں میری

یہ گھر کے لوگ چلے جائیں گے پہاڑوں پر
ترے خیال میں گزریں گی چھٹیاں میری

نہ کوئی پینگ پڑی ہے نہ پھول آئے ہیں
بہت اُداس ہیں کچھ دن سے ٹہنیاں میری

کسی لکیر پہ جھنجلا کے رونے لگتا ہے
بہت ستاتی ہیں اس کو ہتھیلیاں میری

ہوا کا کیا ہے اُڑائے گی پہلے خوشبو کو
اور اس کے بعد بکھیرے گی پتیاں میری

پھر اس کے بعد اچانک ہی رو پڑا وہ شخص
قمرؔ وہ بوجھ رہا تھا پہیلیاں میری

◎

یہ چاند جو بچوں کا کھلونا ہے مری دوست
کھو جائے گا اِس بات کا رونا ہے مری دوست

یہ زردیٔ رُخسار نہ مٹی میں ملے گی
یہ زردی رُخسار تو سونا ہے مری دوست

چل باغ میں روتے ہیں گلابوں سے لپٹ کر
گھر میں بھی تو تکیہ ہی بھگونا ہے مری دوست

موجود بھی ایسے ہوں کہ موجود نہیں ہوں
ثابت مرے ہونے سے نہ ہونا مری دوست

دھرتی نے بھی سوتے میں ہمیں زخم دیے ہیں
یہ سیج بھی کانٹوں کا بچھونا ہے مری دوست

اوروں کی طرح مجھ سے بچھڑ جائے گا وہ بھی
ہونا ہے کسی روز یہ ہونا ہے مری دوست

۵

گھر سے باہر تھی نہ گھر بیٹھی رہی
سوچ کی دہلیز پر بیٹھی رہی

یہ محبت تھی کہ برقی تار پر
کوئی چڑیا رات بھر بیٹھی رہی

میرا سورج ہی نہیں آیا اِدھر
میں ستارے اوڑھ کر بیٹھی رہی

جانے کس کی آس میں اِک فاختہ
صحن کی دیوار پر بیٹھی رہی

مقطع اُٹھ گئے اِک ایک کر کے سارے لوگ
اُجڑی محفل میں قمرؔ بیٹھی رہی

پھل پھینک کے ہمسائے کے گھر تنگ کرے گا
اِک روز یہ آنگن کا شجر تنگ کرے گا

لگتا تھا بچھڑ کے میں بہا لوں گی دو آنسو
معلوم نہ تھا دیدۂ تر تنگ کرے گا

ہنس کر تجھے ملتی ہوں تو یہ بات بھی سُن لے
میں رو بھی پڑوں گی تو اگر تنگ کرے گا

خوش فہمیاں تا عمر نہیں ساتھ نبھاتیں
اِک روز تجھے حسنِ نظر تنگ کرے گا

اِس واسطے تنہا اسے جانے نہیں دیتی
جگنو کو اندھیروں کا سفر تنگ کرے گا

کچھ روز اسے دیکھ کے یاد آئیں گی چڑیاں
کچھ روز یہ ٹوٹا ہوا پر تنگ کرے گا

سب کہنے کی باتیں ہیں یہ اخلاص و مروّت
مت اس پہ یقیں کر، وہ قمر تنگ کرے گا

⦾

میں اُس دل سے نکل کر بام و در تقسیم کرتی ہوں
کہ خود بے گھر ہوں اور لوگوں میں گھر تقسیم کرتی ہوں

نگر والوں میں جب کوتاہ دستی عام ہوتی ہے
میں آندھی کی طرح ان میں ثمر تقسیم کرتی ہوں

ہواؤں کے لیے کچھ بھی بچا کر میں نہیں رکھتی
خزاں رُت کی طرح پورا شجر تقسیم کرتی ہوں

مرے پاس اُس کو دینے کے لیے اِتنی محبت ہے
کہ میں خود بھی نہیں بچتی اگر تقسیم کرتی ہوں

عجب ماں ہوں کہ خود تو ان سے آگے جا نہیں سکتی
مگر میں اپنے بچوں میں سفر تقسیم کرتی ہوں

اسی خاطر پرانے لفظ میرے پاس آتے ہیں
کہ میں ان میں محبت کا اثر تقسیم کرتی ہوں

میں پس انداز کر سکتی نہیں یادوں کی دولت کو
اگر بچ جائے تو بارِ دگر تقسیم کرتی ہوں

سوا لاحاصلی کے اور حاصل کچھ نہیں ہونا
میں جب بھی خود کو اُس پر اے قمر تقسیم کرتی ہوں

⊙

کب کہا تھا کہ وہ تحفہ مجھے واپس کر دے
تیری مرضی ہے تو اچھا مجھے واپس کر دے

اب بھی گڑیوں میں لگا سکتی ہوں اپنے دل کو
میری چھوٹی سی وہ دُنیا مجھے واپس کر دے

جتنے آنسو ہیں مرے پاس وہ لے لے سارے
اور وہ ضبط کا لمحہ مجھے واپس کر دے

دل کو لوٹا کے مرے دوست غمیں کیا ہونا
میں نے کب تجھ سے کہا تھا مجھے واپس کر دے

کوئی تصویر ترے پاس نہیں رکھ سکتی
میری یادوں کا خزانہ مجھے واپس کر دے

جھوٹی امید دلانے سے تو بہتر ہے قمر
وہی ٹوٹا ہوا وعدہ مجھے واپس کر دے

⊙

سرِ بزمِ طلب رقصِ شرر ہونے سے ڈرتی ہوں
کہ میں خود پر محبت کی نظر ہونے سے ڈرتی ہوں

بچانا چاہتی ہوں اس کو سورج کی تمازت سے
مگر میں اس کے رستے کا شجر ہونے سے ڈرتی ہوں

کبھی اس کے خیالوں میں نہیں جاتی تھی دریا پر
اور اب یہ وقت آیا ہے کہ گھر ہونے سے ڈرتی ہوں

اگر یہ سچ ہے خوشبو اور محبت چھپ نہیں سکتے
تو کیوں اپنی محبت کی خبر ہونے سے ڈرتی ہوں

میں اپنی ذات میں بھیگے پروں کا بوجھ ہوں شاید
کسی بے بال و پر کے بال و پر ہونے سے ڈرتی ہوں

مجھے دشمن کا بھی دل توڑنا اچھا نہیں لگتا
کسی کی بد دعاؤں کا اثر ہونے سے ڈرتی ہوں

بھلا تشبیہ سے رتبہ مرا کیوں کم کرے کوئی
قمر ہوں اس لیے رشکِ قمر ہونے سے ڈرتی ہوں

⊙

اذیتوں سے نکلنے کا مشورہ دیتی
میں اس کی تھی تو نہیں پھر بھی حوصلہ دیتی

کسی عذاب سے کم تو نہیں ہے خوش رہنا
دعا کے نام پہ کیوں اس کو بد دعا دیتی

چھپا بھی لیتی مرے بھید کو اگر بالفرض
ہوا کا کیا ہے کوئی اور گل کھلا دیتی

بجا کہ سہل نہ تھا اس کا ہم سفر ہونا
کم از کم اُس کو پلٹنے کا راستہ دیتی

جو مجھ سے عشق کے قصے سناتا پھرتا تھا
کہیں وہ ملتا تو میں اس کو آئینہ دیتی

مرے خدا کوئی مصرف تو ہوتا اشکوں کا
فصیلِ شہر کی تحریر ہی مٹا دیتی

خدا گواہ کہ سر سے جھٹک کے دیکھ لیا
نہیں تھا بس میں وگرنہ اسے بھلا دیتی

میں اس کی خاص عنایت سے بچ گئی ہوں قمر
وگرنہ خلقِ خدا تو مجھے مٹا دیتی

مجھے وہ کیفیت اپنی بتانے کیوں نہیں آیا
تجھے معلوم تو ہوگا زمانے کیوں نہیں آیا

وہ سورج ہے تو پھر اس کے نہ آنے کا سبب کیا ہے
مرے سائے سے ملنے کے بہانے کیوں نہیں آیا

میں اس کو کھینچتی ہی رہ گئی لیکن نہ آیا وہ
وہ میرا سانس تھا اور سانس جانے کیوں نہیں آیا

مری خالی کلائی کہہ رہی ہے عید کی شب کو
وہ اب تک چوڑیاں لے کر نہ جانے کیوں نہیں آیا

بہت دعویٰ تھا اس کو دل کی بازی جیت جانے کا
تو پھر اس کھیل میں مجھ کو ہرانے کیوں نہیں آیا

دریچہ کھول کے کب سے سراپا گوش بیٹھی ہوں
کوئی موسم تری باتیں سنانے کیوں نہیں آیا

وہ کہتا تھا کہ اس کی گفتگو ہے آئینے جیسی
تو پھر چہرہ مرا مجھ کو دکھانے کیوں نہیں آیا

فرصت نہیں ہے مجھ کو محبت کے کھیل سے
میں کیوں لڑائی لوں کسی پاگل چڑیل سے

یہ ظلم بھی ہوا ہے محبت کے نام پر
بانوے شہر کھینچی گئی ہے نکیل سے

اس سے بچھڑ کے خود کو سنبھالا نہیں گیا
لگتا ہے گر پڑی ہوں کسی چلتی ریل سے

۷۔ اَب میں کہاں وصال کا پودا اگاؤں گی
یہ گھر تو بھر گیا ہے اُداسی کی بیل سے

بچپن میں چاند بھی کوئی پنچھی لگا مجھے
لگتا تھا گر پڑے گا یہ میری غلیل سے

⊙

۸۔ اُنگلیاں پھیر رہا تھا وہ خیالوں میں کہیں
لمس محسوس ہوا ہے مرے بالوں میں کہیں

اب مرا ساتھ نہیں دیتا پیادہ دِل کا
ہار جاؤں نہ میں آ کر تری چالوں میں کہیں

اس تشخص پہ بھی رہتا ہے یہ دھڑ کا دل کو
کھو نہ جاؤں میں ترے چاہنے والوں میں کہیں

ایک سورج نے مجھے چاند کا رتبہ بخشا
ورنہ ہوتی میں کتابوں کے حوالوں میں کہیں

مجھ کو لگتا تو نہیں وہ متزلزل لیکن
اس کو وحشت ہی نہ لے جائیں غزالوں میں کہیں

۵

کبھی سورج ہے کبھی زہرہ جمالوں جیسا
کیوں وہ لگتا ہے مجھے میری مثالوں جیسا

ہر طرح سے وہ بہت اچھا ہے لیکن اس کو
دیکھنا چاہتی ہوں اپنے خیالوں جیسا

چاہتی ہوں کہ کروں اس سے محبت کھل کر
لیکن انجام نہ ہو چاہنے والوں جیسا

کس طرح مان لوں میں اس کی نصابی باتیں
اس کا موقف ہے کتابوں کے حوالوں جیسا

میری ضد ہے اسے حل کر کے رہوں گی میں بھی
وہ جو لگتا ہے ریاضی کے سوالوں جیسا

آج کے دن بھی گھٹا کھل کے نہ برسے شاید
آج کا دن بھی ہے وحشت میں غزالوں جیسا

اے محبت میں مجھے چاند سا کہنے والے
مجھ قمر کو نہ سمجھ میری مثالوں جیسا

میں جب بھی یاد کی شمعیں جلا کے رکھتی ہوں
یہ میری ضد ہے کہ آگے ہوا کے رکھتی ہوں

میں ٹوٹ سکتی ہوں لیکن میں جھک نہیں سکتی
شکستِ ذات میں پہلو انا کے رکھتی ہوں

وہ بادباں ہے اگر کشتیِ محبت کا
میں بادبان سے رشتے ہوا کے رکھتی ہوں

نہیں ہے گھر میں تری یاد کے علاوہ کچھ
تو کس کے سامنے چائے بنا کے رکھتی ہوں

تمہارے خط ہیں مہکتے گلاب کے مانند
وہ اور کھلتے ہیں جتنا چھپا کے رکھتی ہوں

جو کہنا چاہتی ہوں وہ تو کہہ نہیں پاتی
زباں پہ تذکرے آب و ہوا کے رکھتی ہوں

میں جانتی ہوں کہ آنا نہیں کسی نے قمر
مگر منڈیر پہ شمعیں جلا کے رکھتی ہوں

٭٭٭

وہ ایک شخص جو آنسو بہانے والا ہے
تمام شہر کی خوشیاں چرانے والا ہے

ابھی میں دیکھ کے آئی ہوں اس کی آنکھ کو
تمہارے شہر میں سیلاب آنے والا ہے

تمہاری آنکھوں پہ جاؤں کہ ہنستے ہونٹوں پر
تمہارا ڈھنگ سمجھ میں نہ آنے والا ہے

کہاں ہیں دودھ کی نہریں نکالنے والے
یہاں تو جو بھی ہے باتیں بنانے والا ہے

میں خوش بہت ہوں کہ سُورج نکل رہا ہے قمرؔ
مگر وہ وقت جو پھولوں پہ آنے والا ہے

⊙

میں بالعموم جو ہونٹوں کو بند رکھتی ہوں
مخالفت میں بھی اپنی پسند رکھتی ہوں

A میں جانتی ہوں کہ مجھ سے نہ بن پڑے گا کچھ
یہی بہت ہے دلِ دردمند رکھتی ہوں

یہ کم نہیں کہ جلوسِ جہاں میں رہ کر بھی
کسی کی یاد کا پرچم بلند رکھتی ہوں

ترے اصولِ محبت سے مجھ کو شکوہ ہے
مگر میں خود کو ترا کار بند رکھتی ہوں

اگر یہ آندھیاں چلتی ہیں میرے سر میں قمر
تو کیوں میں گھر کے دریچوں کو بند رکھتی ہوں

⊙

خدا کی ذات پہ ہے اِس قدر یقین مجھے
کبھی مٹا نہ سکیں گے مخالفین مجھے

سب اپنی اپنی غلط فہمیوں میں زندہ رہیں
خدا کرے نہ سمجھ پائیں حاسدین مجھے

وطن سے آتے ہوئے میں نے یہ نہ سوچا تھا
کہ تہمتوں سے نوازے گی یہ زمین مجھے

کبھی کبھی تو مجھے اس طرح سے ملتا ہے
ترے خلوص پہ آتا نہیں یقین مجھے

میں تلخ ہوں تو مجھے تلخ رہنے دیں وہ قمر
نہ اپنی سطح پہ لائیں منافقین مجھے

⊙

اُبھرتی ڈوبتی نبضوں کو دیکھتی ہوں میں
کنارے بیٹھ کے لہروں کو دیکھتی ہوں میں

یہ زندگی ابھی ترتیب میں نہیں آئی
پھٹی کتاب کے صفحوں کو دیکھتی ہوں میں

کبھی کبھار میں ہوتی ہوں اپنے منظر میں
کبھی کبھار پرندوں کو دیکھتی ہوں میں

اِسی لیے تو وہ آنسو نظر نہیں آتے
کہ آنکھ بھر کے اُن آنکھوں کو دیکھتی ہوں میں

مری طرح سے لرزتے دکھائی دیتے ہیں
ہوا چلے تو ستاروں کو دیکھتی ہوں میں

⊙

جدائیوں میں کہاں بام و دَر کو دیکھتی ہوں
وہ گھر میں آئے تو میں اپنے گھر کو دیکھتی ہوں

مجھے یہ لگتا ہے آ کر بھی تو نہیں آیا
میں تیرے ہوتے تری رہگزر کو دیکھتی ہوں

جو مجھ سے ملنا ہے پیارے تھکن اُتار کے مل
میں تیرے چہرے پہ گردِ سفر کو دیکھتی ہوں

میں سوچتی ہوں وہ کس دم مجھے نکھار گیا
میں اپنے چہرے پہ حسنِ نظر کو دیکھتی ہوں

وہ اس پہ خوش ہے کہ کتنا ہے بے خبر مجھ سے
میں روز خواب میں جس بے خبر کو دیکھتی ہوں

تری نظر میں اماوس کی رات ہے لیکن
میں آئینے میں ابھی تک قمر کو دیکھتی ہوں

تجھ سے جب بات ہوا کرتی ہے
زندگی شکر خدا کرتی ہے

زندگی میری تمھی ہو لیکن
زندگی کس سے وفا کرتی ہے

اِس پہ لکھا نہ کہیں مٹ جائے
ریت تو ریت ہوا کرتی ہے

جب بھی میں کرتی ہوں باتیں اُس سے
کس قدر شور ہوا کرتی ہے

⊙

میں کب تجھ سے الگ کوئی خوشی محسوس کرتی ہوں
جو تجھ دل پر گزرتی ہے وہی محسوس کرتی ہوں

محبت بے یقیں تو ابتدا سے تھی مگر اب کے
ترے ہوتے ہوئے تیری کمی محسوس کرتی ہوں

دل بے حس ابھی پوری طرح بے حس نہیں شاید
غنیمت ہے کہ میں تجھ کو ابھی محسوس کرتی ہوں

ابھی پوری طرح دل سے نہیں نکلا خیال اس کا
ابھی تھوڑی بہت میں زندگی محسوس کرتی ہوں

⊙

آنسوؤں میں بہا دیا ہے تمہیں
میں نے رو کر گنوا دیا ہے تمہیں

میرے ہاتھوں سے ٹوٹنے والو
دیکھو کیسا بنا دیا ہے تمہیں

آگے جو بھی تمہارا فیصلہ ہو
میں نے سب کچھ بتا دیا ہے تمہیں

تم کو شاید نہ اعتبار آئے
میں نے سچ مچ بھلا دیا ہے تمہیں

میرے رُخسار پر نہ جم جانا
آنکھ سے تو گرا دیا ہے تمہیں

باغ کو ڈھونڈنا تمہارا کام
میں نے اِک پھول لا دیا ہے تمہیں

اَب تو ہر شخص مجھ سے پوچھتا ہے
اس محبت نے کیا دیا ہے تمہیں

سب کا احسان اٹھانے کی ضرورت کیا ہے
ساتھ ہو تم تو زمانے کی ضرورت کیا ہے

مسئلہ دونوں کا ہے طے بھی کریں گے دونوں
شہر کو بیچ میں لانے کی ضرورت کیا ہے

دل سے طے کر کے کسی روز الگ ہو جاؤ
چھوڑنا ہے تو بہانے کی ضرورت کیا ہے

خواہشیں دل سے نکل آئیں تو حیرت کیسی
ان پرندوں کو ٹھکانے کی ضرورت کیا ہے

کیا ہوا اس سے جو پہلے سا تعلق نہ رہا
شہر کو چھوڑ کے جانے کی ضرورت کیا ہے

غول چڑیوں کا تمہیں کیوں نہیں اچھا لگتا
جھیل میں زہر ملانے کی ضرورت کیا ہے

دل نشینی کا وہ کہتا ہے تو میں سوچتی ہوں
سنگ کو آئینہ خانے کی ضرورت کیا ہے

پھول کو شور مچاتے کبھی دیکھا ہے قمر
تم ہو خوشبو تو بتانے کی ضرورت کیا ہے

⊙

شہر میں تیری پذیرائی نہ ہونے دوں گی
تو مرا ہے تجھے ہرجائی نہ ہونے دوں گی

چپ رہوں گی جو کہے گا کوئی تجھ کو مجنوں
اس سے بڑھ کر تیری رسوائی نہ ہونے دوں گی

یاد آؤں گی تجھے اچھے دنوں کی صورت
میں مکمل تیری تنہائی نہ ہونے دوں گی

جانتی ہوں کہ مرا ہونا ہے اس سے مشروط
اپنے دشمن کی میں پسپائی نہ ہونے دوں گی

اچھے لگتے ہیں قمر مجھ کو پرندے لیکن
اس کو ان کا بھی تمنائی نہ ہونے دوں گی

⊙

رنگ لائی مری آنکھوں میں محبت اس کی
مجھ کو ہر شے میں نظر آتی ہے صورت اس کی

اس سے تکلیف کسی اور کو ہوتی ہے تو ہو
میں تو ہر حال میں سوچوں گی سہولت اس کی

جیسے دیوار کو گرنے نہیں دیتی دیوار
اس طرح مجھ کو میسر ہے رفاقت اس کی

اس سے کہنا کہ نہ ملنے کے بہانے نہ گھڑے
میں نے سُنی ہی نہیں کوئی وضاحت اس کی

اپنی مجبوریاں صاف اس کو بتا دی ہیں قمر
اب بھی ناراض نہیں ہے تو محبت اس کی

⊙

طلسم دیوار و در سے آگے نکل گئی ہوں
میں بے خیالی میں گھر سے آگے نکل گئی ہوں

مری تو رہ میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں تھیں
میں سوچتی ہوں کدھر سے آگے نکل گئی ہوں

یہاں تو الفاظ دل کی صورت دھڑک رہے ہیں
خیال و خوابِ ہنر سے آگے نکل گئی ہوں

اگرچہ مجھ کو گھنیری چھاؤں نے روکا لیکن
ہوا کی صورت شجر سے آگے نکل گئی ہوں

اگر مرے ہم سفر یہ پوچھیں تو ان سے کہنا
میں پیچھے رہنے کے ڈر سے آگے نکل گئی ہوں

میں اس لیے ہوں محبتوں کے سفر میں تنہا
میں اس سفر میں قمر سے آگے نکل گئی ہوں

⊙

اس نے کہا کہ عشق کا نشہ اتر گیا
میں نے کہا کہ حسن بھی تم سے مکر گیا

اس نے کہا تجھ کو دلانی ہیں چوڑیاں
میں نے کہا کہ اب وہ زمانہ گزر گیا

اس نے کہا کہ کیا ہوئی کاجل کی دھار سی
میں نے کہا کہ آنکھ سے دریا گزر گیا

اس نے کہا کہ یہ تری چڑیوں سے دوستی
میں نے کہا کہ دل مرا دنیا سے بھر گیا

اس نے کہا کہ کیا ملا سب سے بگاڑ کے
میں نے کہا کہ وقت تو اچھا گزر گیا

اس نے کہا کہ خواب میں آنے کا وقت دو
میں نے کہا کہ نیند کا موسم گزر گیا

اس نے کہا کہ وہ ترے سورج کا کیا بنا
میں نے کہا کہ وہ مرے دل میں اتر گیا

اس نے کہا کہ وہ نہیں دے گا تمہارا ساتھ
میں نے کہا کہ وہ چلو وعدہ تو کر گیا

آخر کو تنگ آ کے کہی اس نے اتنی بات
وہ تم کہاں گئیں، وہ زمانہ کدھر گیا

⊙

اپنے ہونے کو مقدر کا لکھا جانتی ہے
کس ہتھیلی پہ مہکنا ہے حنا جانتی ہے

ہنس رہی ہے کہ محبت کا صلہ جانتی ہے
مجھ سے بڑھ کر تو اُسے خلق خدا جانتی ہے

نام لیتے ہوئے گھبرا سی رہی ہے ورنہ
کس نے بھیجے ہیں مجھے پھول ہوا جانتی ہے

ایک لڑکی جو بظاہر نہیں کہتی کچھ بھی
خواجۂ شہر کی باتوں کو برا جانتی ہے

کیا پتہ اِس کو کسے کہتے ہیں دُنیا داری
یہ مُحبت ہے کسے اپنے سوا جانتی ہے

⊙

چن لیتی ہے میرے گھر کی سب ویرانی چڑیا
جانے کہاں سے آ جاتی ہے یہ انجانی چڑیا

اپنے اپنے آئینے سے دن بھر ہم لڑتے ہیں
ایک تو میں ہوتی ہوں گھر میں اک مرجانی چڑیا

تنہائی کے لمحوں میں وہ پاس مرے رہتی ہے
مجھ کو اپنوں سے بڑھ کر ہے یہ بیگانی چڑیا

دونوں جب مل بیٹھتے ہیں تو کٹ جاتی ہیں راتیں
ایک کہانی میں کہتی ہوں ایک کہانی چڑیا

وہ مجھ کو احساس میں جلتا دیکھ کے چپ نہیں رہتی
میری خاطر بھر لاتی ہے چونچ میں پانی چڑیا

⊙

جان لیوا کوئی منظر نہیں دیکھا جاتا
چاند نکلے تو سمندر نہیں دیکھا جاتا

کوئی آواز مجھے روک رہی ہے لیکن
کیا کروں مجھ سے پلٹ کر نہیں دیکھا جاتا

ٹوٹ جانے کی تمنا تو بہت ہے مجھ کو
پھر بھی اُس ہاتھ میں پتھر نہیں دیکھا جاتا

اِس لیے پیار کی بیساکھیاں دی ہیں تجھ کو
شہر کو تیرے برابر نہیں دیکھا جاتا

روشنی کرنے کو وہ آگ میں جلتا ہے قمر
مجھ سے سُورج کا مقدر نہیں دیکھا جاتا

⊙

برف جیسا نہ مکمل ہے شرارے جیسا
میں نے دیکھا نہ سنا کوئی تمہارے جیسا

وہ جو رہتا پلک پر کسی آنسو کی طرح
اب وہی شخص ہے ٹوٹے ہوئے تارے کی جیسا

اس لیے کرتی ہوں آنگن کے شجر سے باتیں
یہ بھی لگتا ہے کسی ہجر کے مارے جیسا

کوئی شے کاٹ رہی ہے مجھے اندر اندر
کیا مرا جسم ہے دریا کے کنارے جیسا

کس لیے بات میں مجنوں کا حوالہ آیا
آپ کہتے تھے نہیں کوئی ہمارے جیسا

دیکھنا ہے کہ وہ نزدیک سے کیسا ہے قمر
دور سے تو نظر آتا ہے ستارے جیسا

⊙

چھوڑ کر انگلی اکیلے گھومنا اچھا لگا
ماں سے کیا کہتی مجھے میلے میں کیا اچھا لگا

بے وفا نے جاتے جاتے رکھ لیا میرا بھرم
دو قدم جا کر کسی کا لوٹنا اچھا لگا

جب تلک خاموش تھا، لگتا تھا جھیلیوں کی طرح
اور جب بولا تو اس کا بولنا اچھا لگا

میں بھی کتنی خود غرض تھی دوستی کے باب میں
اس کا سب کو چھوڑنے کا فیصلہ اچھا لگا

جس میں اس کی بات تھی، اس گفتگو میں کھو گئی
جس میں اس کا ذکر تھا، وہ واقعہ اچھا لگا

اس کو شاید یہ توقع تھی مناؤں گی اسے
اس لیے بھی مجھ کو اس کا روٹھنا اچھا لگا

سوچتی تھی وہ کہیں مر ہی نہ جائے میرے بعد
اس لیے اوروں سے اس کا رابطہ اچھا لگا

زندگی میں اس نے اتنی تلخیاں دیکھیں قمر
اس کو میرے آنسوؤں کا ذائقہ اچھا لگا

⊙

گڑیوں کا کھیل پھر سے رچاؤ سہیلیو
وہ دن کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ سہیلیو

مہندی کی شب نہ اشک بہاؤ سہیلیو
ڈھولک بجاؤ، گیت سناؤ سہیلیو

اپنے نصیب میں نہیں خوشیاں لکھی ہوئی
تم چوڑیاں نہ چیں کے کھاؤ سہیلیو

وہ بھی تمہارے خواب کی صورت نہ ٹوٹ جائیں
ماؤں کو اپنے دکھ نہ بتاؤ سہیلیو

ہم اس کے گرد لڈی نہ ڈالیں تو کیا کریں
یہ زندگی ہے غم کا الاؤ سہیلیو

کچھ دن سے ہو گئی ہے وہ گوشہ نشین سی
جاؤ قمر کو ڈھونڈ کے لاؤ سہیلیو

⊙

کس طرح کی ہوں شکایات، خدا جانتا ہے
کیسی ہو اب کے ملاقات خدا جانتا ہے

میری آنکھوں سے تو شاید ہی یقیں آئے اُسے
جتنا روئی ہوں میں کل رات خدا جانتا ہے

مجھ کو بس اس سے غرض ہے کہ وہ کتنا ہے مرا
عشق میں اس کے مقامات خدا جانتا ہے

پہلے چڑیوں کو بتاتی تھی میں اپنی حالت
اب مرے دل کی ہر اک بات خدا جانتا ہے

میرے بس میں ہے فقط کوششیں کرتے رہنا
کب بدل پائیں گے حالات خدا جانتا ہے

بدگمانی نے تجھے گھیر لیا ہے ورنہ
وہی دل ہے وہی جذبات، خدا جانتا ہے

اہل دنیا کو بتانے کی ضرورت کیا ہے
مجھ پہ اپنوں کی عنایات خدا جانتا ہے

⊙

باتیں بدل گئیں، کبھی چہرہ بدل گیا
وہ شخص میرے سامنے کیسا بدل گیا

کہتا ہے اب کی بار مجھے چھوڑ کر دکھا
الفاظ تو وہی ہیں، وہ لہجہ بدل گیا

میرے خیال میں بھی اگر کھو گیا وہ شخص
مجھ کو یہی لگا کہ وہ کتنا بدل گیا

نکلی تھی اور سمت میں پہنچی ہوں اور سمت
کیا جانے کس خیال میں رستہ بدل گیا

سوچا تھا آج فیصلہ کر کے رہوں گی میں
بچوں کا سوچتے ہی ارادہ بدل گیا

جو بات ابتدا میں تھی وہ اب نہیں قمر
لگتا ہے درمیاں کہیں قصہ بدل گیا

⊙

ترے خیال میں رکھتی ہوں پاؤں ڈرتے ہوئے
کہ گر پڑوں نہ کہیں سیڑھیاں اترتے ہوئے

وہ اس لیے بھی نہیں مجھ سے گفتگو کرتا
کہ رو پڑوں نہ کہیں اس سے بات کرتے ہوئے

میں لڑکی ہو کے بھی قائم ہوں اپنی باتوں پر
مگر حیا نہیں آئی تجھے مکرتے ہوئے

مری نگاہ سے بھی گر گیا اگر وہ شخص
تو کتنی دیر لگے گی اسے بکھرتے ہوئے

نہ ہو ستون تو چھت بھی نہیں ٹھہر سکتی
یہ اس نے کیوں نہیں سوچا گریز کرتے ہوئے

مرے لیے تو بس اتنی خوشی بہت ہے قمر
کہ مجھ کو دیکھ رہا ہے کوئی سنورتے ہوئے

⊙

چاند جب پانیوں میں بولتا ہے
تو مرے آنسوؤں میں بولتا ہے

اس سے میں مشورہ نہیں لیتی
پھر بھی وہ فیصلوں میں بولتا ہے

کون سمجھے گا اس کی باتوں کو
وہ کئی مرحلوں میں بولتا ہے

وہ پرندے تو جا چکے کب کے
کون اب کھڑکیوں میں بولتا ہے

پہلے وہ میرے دل کی دھڑکن تھا
اب کئی دوسروں میں بولتا ہے

میرے دیکھے سے کچھ نہ پھوٹے گا
آئنہ کرچیوں میں بولتا ہے

وہ ترا نام ہے کہ سوکھا پھول
کون ان کاپیوں میں بولتا ہے

میں نے دیکھا نہیں ہے اس کو قمر
پھر بھی وہ دھڑکنوں میں بولتا ہے

⊙

یہ کس کے غم میں گریہ کر رہی ہے
ہوا کیوں سسکیاں سی بھر رہی ہے

کسی صورت بچانا چاہتی ہوں
مرے اندر کی عورت مر رہی ہے

غنیمت جان ان آنکھوں میں آنسو
کہ یہ لڑکی کبھی پتھر رہی ہے

جسے دیوار میں تم چن کے خوش ہو
وہ زندہ ہے وہ باتیں کر رہی ہے

تم کو شاید نہ اعتبار آئے ———

مرے پاؤں تلے آیا نہیں دل
مرے پاؤں میں بس ٹھوکر رہی ہے

پڑی ہے پاؤں تو یہ سوچ لینا
یہ شہزادی کبھی خودسر رہی ہے

جو انکاری ہے اب پہچاننے سے
مری صورت اسے ازبر رہی ہے

قمر اب جس میں آنسو بھر رہے ہیں
کبھی وہ آنکھ جادوگر رہی ہے

⊙

پھولوں سے بھری راہ گزر کچھ بھی نہیں ہے
تم ساتھ نہیں ہو تو سفر کچھ بھی نہیں ہے

یہ چوڑیاں یہ پھول یہ وعدوں سے بھرے کارڈ
یہ کیا ہیں ترے دل میں اگر کچھ بھی نہیں ہے

خوش ہوں کہ ترے حرفِ تسلی کے مقابل
غم کچھ بھی نہیں، دیدہ تر کچھ بھی نہیں ہے

ڈرتی ہوں کہ اک دم ہی کہیں ٹوٹ نہ جائے
جس پر مری باتوں کا اثر کچھ بھی نہیں ہے

جب تم ہی میسر ہو تو کیوں لگتا ہے مجھ کو
سب کچھ ہے مرے پاس مگر کچھ بھی نہیں ہے

⦿

اب کے چڑیاں بھی گئیں برگ و ثمر کی صورت
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ہے شجر کی صورت

کلفت راہ مٹا دیتا ہے بچوں کا خیال
گھر پہنچتی ہوں کسی اچھی خبر کی صورت

گھر کی دہلیز سے رشتہ نہیں توڑا جاتا
جا کے لوٹ آتی ہوں میں راہ گزر کی صورت

پہلے جو درد کی مانند مرے دل میں رہا
اب مرے شعر میں رہتا ہے اثر کی صورت

ایسا تالاب بناؤں گی میں چڑیوں کے لیے
جو کبھی خشک نہ ہو دیدہ تر کی صورت

مجھ میں ہمت ہی نہ تھی ساتھ نبھانے کی قمر
اُٹھ کے میں بیٹھ گئی گردِ سفر کی صورت

⊙

رُسوائیوں میں دیدۂ تر بھی شریک ہے
باتیں بنانے والوں میں گھر بھی شریک ہے

پتے گرا کے دیتا ہے وہ اپنا مشورہ
اب اپنی گفتگو میں شجر بھی شریک ہے

اس کاروبارِ دل میں یقین وفا کے ساتھ
ہر دم تباہ ہونے کا ڈر بھی شریک ہے

آخر کو اس نے مجھ سے یہ منوا کے دم لیا
مجھ میں کسی کا حسن نظر بھی شریک ہے

لگتا ہے اب کی بار اکیلی نہیں ہوں میں
اب کے سفر میں راہ گزر بھی شریک ہے

میں اس لیے ہجوم میں شامل رہی قمر
لگتا تھا اس میں جانِ قمر بھی شریک ہے

⊙

میں روتی نہیں چہرہ جھلس جانے کے ڈر سے
تیزاب ٹپکتا ہے مرے دیدہ تر سے

اب تک مری پلکوں پہ وہی نیند جمی ہے
لگتا ہے کہ لوٹی نہیں خوابوں کے سفر سے

تم پہلے کبھی فون تو کر لیتے تھے مجھ کو
اب ایسے گئے ہو کہ گئے خیر خبر سے

خود سوچ کہ پھر مجھ میں نہ کیوں پھول سے مہکیں
ہر شخص مجھے دیکھتا ہے تیری نظر سے

کیا جانیے کیوں ان کو پہنچتی نہیں ٹھنڈک
کیا جانیے کیوں جلتے ہیں یہ لوگ قمر سے

⊙

صحنِ باغیچۂ امکاں ہوا مسکن میرا
کس کی خوشبو ہے مہکنے لگا آنگن میرا

مجھ کو اک پل کی فراغت نہ میسر آئے
اور جی بھر کے گزارے کوئی جیون میرا

من ہی بھیگا نہ پلک ہی کوئی بھیگی میری
کتنے آرام سے خالی گیا ساون میرا

کون ٹوبہ کی طرف کھینچ رہا ہے مجھ کو
یہ مری ماں کی محبت ہے کہ بچپن میرا

اس توقع پہ تعلق نہیں توڑا میں نے
مجھ کو تسلیم کرے گا کبھی دُشمن میرا

کیا کہوں کیسی خوشی کھو گئی جیون سے قمر
وہ کٹورا ہے نہ بجتا ہوا کنگن میرا

۱- ٹوبہ ٹیک سنگھ میرا آبائی شہر

⊙

میرے انکار کو اقرار نہ سمجھا جائے
اِتنا بے بس مرا پندار نہ سمجھا جائے

حسنِ اخلاق کے معنی نہ سمجھنے والو
ہنس کے بولوں تو اُسے پیار نہ سمجھا جائے

اُس نے تحفے میں مجھے پھول دیے اور کہا
راہِ مولیٰ اِسے اظہار نہ سمجھا جائے

یہ بھی سچ ہے کہ محبت مری مجبوری ہے
لیکن اِس کو مرا ایثار نہ سمجھا جائے

جانے والا نہیں رُکتا ہے تو اُس کی مرضی
میری چپ کو مرا اصرار نہ سمجھا جائے

وقت بے وقت مرے شہر کے چکر نہ لگا
تو محبت کا گنہ گار نہ سمجھا جائے

خوب ہے اپنی جگہ ہیر کا قصہ لیکن
صرف اِسے عشق کا معیار نہ سمجھا جائے

اُس نے خط میں مجھے بھجوایا ہے خالی کاغذ
کیوں اِسے حسرتِ اظہار نہ سمجھا جائے

میرا سورج سے کوئی اور تعلق ہے قمر
مجھ کو اب سایۂ دیوار نہ سمجھا جائے

⊙

جانے والا مرے آنگن میں دوبارا ہوتا
میں نے اسے کاش اُسے دِل سے پکارا ہوتا

تم بہت اچھے رہے ترکِ محبت کر کے
ورنہ جو حال مرا ہے وہ تمہارا ہوتا

میں تو گر گابیاں کیا پاؤں وہاں چھوڑ آتی
رقص کرنے کا اگر مجھ کو اشارا ہوتا

تیرے دل میں نہ سہی آنکھ میں رہنا تھا اُسے
چاند اگر چاند نہ ہوتا تو ستارا ہوتا

اَب مجھے تجھ سے توقع ہی نہیں ہے ورنہ
وصل کی طرح ترا ہجر گوارا ہوتا

اِس طرح اُس کی محبت تو بچا ہی لیتی
اور اَب سوچتی ہوں اُس کو پکارا ہوتا

خود سے بڑھ کر تمہیں تنہا نہیں دیکھا جاتا
مجھ کو حسرت ہی رہی کوئی تمہارا ہوتا

یہ جو پانی ہے مری ڈوبتی کشتی میں قمرؔ
تم کنارا جو نہ کرتے تو کنارا ہوتا

⊙

اَب وہ سُورج نہ سہیلی میری
کون بوجھے گا پہیلی میری

کس طرح ختم کروں شہر کا دُکھ
ساری کوشش ہے اکیلی میری

میری تنہائی کا کیا پوچھتے ہو
وہ ہے ناراض سہیلی میری

جس جگہ میں کبھی ہوتی تھی قمرؔ
اَب مہکتی ہے چنبیلی میری

⊙

حوصلہ ہار دیا اس کو روانہ کر کے
رو پڑی آنکھ میں تنکے کا بہانہ کر کے

اب جو بے گھر میں ہوئی ہوں تو ہوا ہے معلوم
کتنی خوش تھی میں ترے دل میں ٹھکانہ کر کے

جیسے تھی میری خوشی اس کی خوشی سے مشروط
کھل اٹھی ہوں میں اسے پھول روانہ کر کے

یاد ہیں آج بھی بچپن کے وہ لمحے مجھ کو
رو دیا کرتی تھی تتلی کو نشانہ کر کے

⊙

کوئی تہمت لگائے تو اذیت کم نہیں ہوتی
مگر میں جانتی ہوں اس سے عزت کم نہیں ہوتی

یہ وہ دولت ہے جو دل کی بدولت کم نہیں ہوتی
محبت کرتے رہنے سے محبت کم نہیں ہوتی

محبت بدگمانی کو ہمیشہ ساتھ رکھتی ہے
مداوا ہو بھی جائے تو شکایت کم نہیں ہوتی

جو باتیں لب پہ آئی ہوں وہ باتیں ہو کے رہتی ہیں
کبھی اُنگلی چبانے سے اذیت کم نہیں ہوتی

نکل آتا ہے رستے سے نیا رستہ قمر لیکن
کسی کے ساتھ ہونے سے مسافت کم نہیں ہوتا

⊙

خواب گراتی پلکیں دیکھنے والی تھیں
میری اُجڑی نیندیں دیکھنے والی تھیں

تنہائی کا صرف مجھے ہی رنج نہ تھا
چڑیوں کی بھی شکلیں دیکھنے والی تھیں

میں ماں کی تصویر کے آگے روئی جب
میری ماں کی آنکھیں دیکھنے والی تھیں

جب لوگوں میں میں نے اُس کا نام لیا
میری سانس میں گرہیں دیکھنے والی تھیں

مجھ کو دیکھ کے جس کو بیٹی یاد آئی
اُس بڑھیا کی آنکھیں دیکھنے والی تھیں

⊙

بچپن کی وہ محرومی چلی آئی کہاں سے
رُوتی ہوئی نکلی میں کھلونوں کی دُکاں سے

تم دونوں محاذوں پہ مرا ساتھ نبھانا
اِک جنگ مری خود سے ہے اِک جنگ جہاں سے

یہ گھر ہے مگر اِس کا دریچہ نہیں کوئی
اب دیکھنا یہ ہے میں نکلتی ہوں کہاں سے

خود تو مجھے حق مانگنا آیا نہیں اب تک
ہر بات میں کہلواتی ہوں بچوں کی زباں سے

اِس بار بھی آنکھوں سے چھلک پائی نہیں میں
اِس بار بھی لوٹ آئی ہوں خطرے کے نشاں سے

اب اِتنا تعلق ہے کہ توڑا نہیں جاتا
جو توڑ کے جائے گا قمر جائے گا جاں سے

⊙

کہاں مجھ کو مرے دُکھ کی بدولت جانتے ہیں
یہ ظاہر دار ہیں بس میری صورت جانتے ہیں

مجھے تقسیم کرنے پر تلے بیٹھے ہیں سارے
مجھے یہ لوگ کیوں مالِ غنیمت جانتے ہیں

انہیں معلوم ہے میرا قبیلہ مار دے گا
یہ اہلِ دل مرے گھر کی روایت جانتے ہیں

وہ جتنا جھوٹ بولیں پھر بھی آ جاتے ہیں قابو
محبت کرنے والے کب سیاست جانتے ہیں

محبت کا مجھے ہی حق نہیں دیتا قبیلہ
وگرنہ سب محبت کو عبادت جانتے ہیں

کسی اچھے عمل پر بھی یہ دُنیا خوش نہیں ہے
قمرؔ پوچھوں تو کہتے ہیں کہ نیت جانتے ہیں

⊙

مجھ کو ڈولی میں بٹھا ڈر کے حوالے کر دے
میری ماں مجھ کو مقدر کے حوالے کر دے

اب یہ احساس کہ دُنیا میں کوئی میرا نہیں
جانے کب مجھ کو سمندر کے حوالے کر دے

اُس قبیلے سے نہیں میں کہ جو اپنی لڑکی
جنگ کے خوف سے لشکر کے حوالے کر دے

مجھ سے مل کر اُسے محسوس ہوا ہے ایسا
جیسے خود کو کوئی پتھر کے حوالے کر دے

گھومنے پھرنے کا حق رکھتی ہے پھر بھی تتلی
کس لیے خود کو گلِ تر کے حوالے کر دے

خالی کمرے میں پڑے رہنے سے بہتر ہوگا
اے قمرؔ خود کو بھرے گھر کے حوالے کر دے

⊙

بہت کہا تھا کہ میرا دُکھ دربدر نہ کرنا
بہت کہا تھا کہ میری باتیں اُدھر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ پانیوں پر نہ رہ سکو گے
بہت کہا تھا کہ میری آنکھوں میں گھر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ پیار میں جی لگا ہوا ہے
بہت کہا تھا یہ سلسلہ مختصر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ آنسوؤں کی چمک بہت ہے
بہت کہا تھا کہ اِن کے ہوتے سحر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ خود سے باہر نہ آسکو گے
بہت کہا تھا کہ اپنے اندر سفر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ دل میں رکھنا دلوں کی باتیں
بہت کہا تھا کہ سب کو اِن کی خبر نہ کرنا

بہت کہا تھا یہ فرق پہچانتی نہیں ہیں
بہت کہا تھا ہواؤں کو ہم سفر نہ کرنا

بہت کہا تھا کہ لوگ چہرے کو دیکھتے ہیں
بہت کہا تھا کہ اُس کی باتیں قمر نہ کرنا

۵

کس طرح ڈوبنے دیتے مجھے میرے بچے
زندگی ایک سمندر ہے جزیرے بچے

میرا دل جیتنے کا یہ کوئی حربہ تو نہیں
اچھے لگتے ہیں کسی شخص کو میرے بچے

میں کسی اور ہی آنگن میں بہت سوچی گئی
میرے ہم شکل ہوئے اور کسی کے بچے

اب مری مان بھی لے مان بھی لے اے مرے دل
اِس طرح تنگ نہیں کرتے ہیں اچھے بچے

ایسے مامور ہوں خوابوں کی نگہبانی پر
جس طرح پالتا ہے کوئی کسی کے بچے

۵

جیسے پھرتا ہو کوئی اجنبی سایہ گھر میں
رات چڑیوں نے بہت شور مچایا گھر میں

مجھ کو وہ شخص بھی ہے کان کے بندے کی طرح
ڈھونڈتی شہر میں ہوں اُس کو گنوایا گھر میں

اُس کی یادیں بھی بدن اُس کا پہن کر آئیں
جانے والا مجھے پھرتا نظر آیا گھر میں

غم کی سرگوشیاں کیا میری سمجھ میں آتیں
میرے بچوں نے بہت شور مچایا گھر میں

گھر کی ہر چیز میں مجھ کو نظر آیا وہ قمرؔ
دل میں رہنے کو کہا اور سمایا گھر میں

⊙

قضا کے منہ میں جا کر بھی قضا سے بچ گئی ہوں
قمرؔ میں اپنے سُورج کی دُعا سے بچ گئی ہوں

محبت یوں بڑھی تھی جیسے مُجھ کو مار دے گی
مگر میں خود میں چھپ کر اِس بلا سے بچ گئی ہوں

یقیناً اُس ہتھیلی نے چھپایا ہوگا مجھ کو
کہ شمعِ راہ ہو کر بھی ہوا سے بچ گئی ہوں

بس اتنی ہے مری اُجڑی محبت کی کہانی
کہ مائیوں بیٹھ کر رسمِ حنا سے بچ گئی ہوں

قمر یہ معجزے سے کم نہیں ہے اِس نگر میں
خدا کے نام پر خلقِ خدا سے بچ گئی ہوں

⊙

مجھے گھر کو بچانے میں اُجڑنا پڑ رہا ہے
مری جاں ہم کو مجبوراً بچھڑنا پڑ رہا ہے

کبھی لوگوں، کبھی بچوں کبھی چڑیوں سے نالاں
مجھے اُس کے لیے کس کس سے لڑنا پڑ رہا ہے

یہ کس بے آب خطے میں اُتارا تو نے مولا
کہ مجھ کو پاؤں مٹی پر رگڑنا پڑ رہا ہے

میں اپنی ذات میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہوں
مجھے تیرے لیے خود سے جھگڑنا پڑ رہا ہے

یہ چڑیاں گھونسلوں کو چھوڑ کر جاتی نہیں تھیں
انہیں میری محبت میں اُجڑنا پڑ رہا ہے

کبھی وہ شخص ہوتا تھا قمر کے دل کی دھڑکن
جسے دہلیز پر ماتھا رگڑنا پڑ رہا ہے

⊙

کھڑکیاں مت بجا مَیں نہیں بولتی
جا او جھوٹی ہوا میں نہیں بولتی

چھوڑ دے میری دہلیز کو چھوڑ دے
تجھ سے کہہ جو دیا میں نہیں بولتی

کُٹّی کرنا پڑی عمر بھر کے لیے
اُس سے کہنا پڑا میں نہیں بولتی

مجھ سے اب میٹھے لہجے میں باتیں نہ کر
میرا دل بجھ چکا میں نہیں بولتی

مجھ کو معلوم ہے جتنی اچھی ہوں میں
اب نہ باتیں بنا میں نہیں بولتی

اب کسی چال میں میں نہیں آؤں گی
چاہے قسمیں اُٹھا میں نہیں بولتی

یہ جو اِک مورسا میرے آنگن میں ہے
جب نہیں بولتا میں نہیں بولتی

میرے پاؤں سے دھرتی کھسکنے لگی
جب بھی ماں نے کہا میں نہیں بولتی

پہلے اُس کے لیے سب سے لڑتی پھری
پھر اُسے کہہ دیا میں نہیں بولتی

اب صفائی کا موقع نہ دوں گی اُسے
جو ہوا سو ہوا میں نہیں بولتی

میری چپ کو بھی سازش سمجھتا ہے وہ
اے قمر کے خدا میں نہیں بولتی

بھید دل کا نہ چھپانا مری مجبوری ہے
خود کو ہنس ہنس کے رُلانا مری مجبوری ہے

اس پہ مجبور کیا تیز ہوا نے مجھ کو
اب یہاں پاؤں جمانا مری مجبوری ہے

میرے اپنوں نے مجھے تنگ کیا ہے اِتنا
ان کو احسان جتانا مری مجبوری ہے

اِس بہانے سے لگا رہتا ہے میرا دل بھی
ساری محفل کو ہنسانا مری مجبوری ہے

بات ہمت کی نہیں گھر کا خیال آتا تھا
راہ سے لوٹ کے جانا مری مجبوری ہے

اور کچھ پوچھے تو کچھ بھی نہیں کہنا اُس سے
صرف اُسے اِتنا بتانا' مری مجبوری ہے

تو مرے ہاتھ کی ریکھاؤں پہ حیران نہ ہو
اب تجھے اپنا بنانا مری مجبوری ہے

جانے کیا بات ہے جو کہہ نہیں پاتی میں قمرؔ
اور وہ بات بتانا مری مجبوری ہے

(۵)

☆

گھر کے ہر کونے سے اک جھنکار سی آئی مجھے
رات کس نے خواب میں پازیب پہنائی مجھے

ایسا لگتا ہے کہ پھر کوئی اُجڑ جانے کو ہے
جب کہیں بجتی نظر آئی ہے شہنائی مجھے

اِس لیے میں لوٹ آئی ہوں سمندر دیکھ کر
اپنی جانب کھینچتی تھی اس کی گہرائی مجھے

خوبصورت تھی وہ تتلی اس لیے ماری گئی
میری ماں کی یہ کہاوت اب سمجھ آئی مجھے

اِتنے دن کے بعد جب میں لوٹ کر آئی تھی گھر
اپنے بستر سے عجب بوئے حنا آئی مجھے

اَب بھی کہتی ہے کہ مجھ سے دوستی کر لے قمر
اَب بھی سمجھاتی ہے میرے گھر کی تنہائی مجھے

☆☆

⊙

پائل پہن کے جھومنے گانے لگی ہوں میں
اُس کی طرف سے خود کو منانے لگی ہوں میں

آنچل کو کھینچ کے کبھی چوڑی کو توڑ کے
کس کس طرح سے خود کو ستانے لگی ہوں میں

لگتا ہے مجھ کو اُس سے محبت نہیں رہی
اُس سے ہر ایک بات چھپانے لگی ہوں میں

کیوں تجھ سے میرا پیار چھپایا نہیں گیا
تجھ میں کسی کو کیوں نظر آنے لگی ہوں میں

لینے لگی ہوں خود سے محبت کا انتقام
تیرے سبھی خطوط جلانے لگی ہوں میں

لوگوں کو اس لیے بھی مری فکر پڑ گئی
اپنا الگ چراغ جلانے لگی ہوں میں

جب اُس کا ساتھ دے نہیں سکتا مجھے قمر
پھر کیوں کسی کی آس بندھانے لگی ہوں میں

⊙

پیار میں پاگل ہو جاتے ہیں
لوگ مکمل ہو جاتے ہیں

تم آنکھوں پر ہاتھ نہ رکھو
ہم خود اوجھل ہو جاتے ہیں

تنہائی پر جھاڑتی ہے جب
خواب معطل ہو جاتے ہیں

جب بھی سُورج دیکھنے نکلوں
سر پر بادل ہو جاتے ہیں

میرا اِس میں دوش نہیں ہے
لوگ ہی پاگل ہو جاتے ہیں

درد پنیری بونے والو!
گھر بھی جنگل ہو جاتے ہیں

⊙

کہیں میں دل میں کہیں سطرِ انتساب میں ہوں
مَیں اک طرف کی نہ ہو کر بڑے عذاب میں ہوں

مرا پتہ کوئی پوچھے تو اُس سے کہہ دینا
مری ہوئی کوئی تتلی ہوں اور کتاب میں ہوں

وہ مجھ کو اپنا سمجھ لے تو اُس کی خوش فہمی
وگرنہ اُس کو پتہ ہے میں کس کے خواب میں ہوں

سمجھتا کیوں نہیں تو عشق اور پیار میں فرق
میں تیرے دل میں نہیں میں تری کتاب میں ہوں

فضائے شہر سے کوئی گلہ نہیں ہے قمرؔ
میں ایک اور حوالے سے پیچ و تاب میں ہوں

⊙

کیا اُسے قید کرے گا کوئی تدبیر کے ساتھ
کبھی خوشبو نہیں باندھی گئی زنجیر کے ساتھ

لڑکیاں اپنے خدوخال پہ خوش ہیں ورنہ
لوگ تو عشق کیا کرتے ہیں جاگیر کے ساتھ

کس طرح اب کوئی پہچان سکے گا مجھ کو
میری صورت نہیں ملتی مری تصویر کے ساتھ

وہ مرے دل سے نکل کر جہاں چاہے جائے
میں اُسے گھیر کے لے آؤں گی تدبیر کے ساتھ

چائے کے کپ پہ بلا لیتی ہوں اُس کی یادیں
اور پھر خوب گزرتی ہے تصاویر کے ساتھ

جو گلہ اُس سے ہے وہ بھی نہیں کرتی اُس سے
اُس کے جاتے ہی اُلجھ پڑتی ہوں تقدیر کے ساتھ

مر بھی جاؤں تو محبت نہیں جائے گی قمرؔ
دل کا کانٹا ہے یہ نکلے گا نہیں تیر کے ساتھ

⊙

ڈھونڈ رہی ہوں تیرا ٹھنڈا سایہ مائے نی
سات سمندر پار بھی ہے اک صحرا مائے نی

کیوں کر تو نے بھیج دیا کھیڑوں کے ساتھ مجھے
رُک جاتی تو آ سکتا تھا رانجھا مائے نی

کوئی نہیں سمجھانے والا اُس طوفانی کو
روز ہی لڑکی مانگتا ہے اِک دریا مائے نی

بچھو جیسی آنکھوں والوں کو سمجھائے کون
تیری دُعا کے ہالے میں ہے چہرہ مائے نی

جس اُنگلی کو اُس نے تھاما وہ ہے زہر بھری
تو نے بھی اِس بارے میں کچھ سوچا مائے نی

جب بھی میرے آنسو نکلے اُن کے پونچھنے کو
ہاتھ ترا تصویر سے باہر آیا مائے نی

جس موسم کی خاطر میرا چہرہ زرد ہوا
کب تک دیکھوں گی میں اُس کا رستہ مائے نی

گھر میں رہ کر بھی ہم گھر کا حصہ بن نہ سکیں
تیرا میرا دُکھ ہے کتنا سانجھا مائے نی

دیکھ قمر نے کیا پایا ہے سکے جوڑ کے بھی
اُس کی گولک پر بھی سانپ آ بیٹھا مائے نی

⊙

چہرے پہ اُن کے واسطے بادل نہیں کیا
اِن پاگلوں کو چاند نے پاگل نہیں کیا

تم نے ہی فون رکھ دیا غصے میں ورنہ دوست
وہ رابطہ تو میں نے معطل نہیں کیا

جو آپ ہو گیا اُسے روکا نہیں کبھی
میں نے کسی کو آنکھ سے اوجھل نہیں کیا

یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے بہت تھک گئی ہوں میں
میں نے تو مسئلہ بھی کوئی حل نہیں کیا

اب بھی میں پھول توڑنے جاتی ہوں باغ میں
اس بے حسی نے جسم مرا شل نہیں کیا

اب بھی وہی بھڑاس نکلتی ہے خاک سے
اِن بارشوں نے شہر کو جل تھل نہیں کیا

اِک زندگی کے بعد یہ مجھ پر کھلا قمر
میں نے تو کوئی کام مکمل نہیں کیا

یوں توڑتی رہتی ہیں برابر تری یادیں
آئینہ مرا جسم ہے پتھر تری یادیں

باہر سے تو لگتا ہے کہ چھتنار ہوں لیکن
دیمک سی لگی رہتی ہیں اندر تری یادیں

اوروں پہ ترا ہاتھ تری چھاؤں ہے لیکن
سورج کی طرح ہیں میرے سر پر تری یادیں

کٹ کٹ کے بہت دُور ہوئی جاتی ہوں تجھ سے
ساحل ہے مرا جسم سمندر تری یادیں

تنہائی پرندوں کی طرح چیخ رہی ہے
یا شور مچاتی ہیں مرے گھر تری یادیں

یہ دِل تو قمر گرتی ہوئی چھت کی طرح ہے
اِس خوف سے ہو جائیں نہ بے گھر تری یادیں

⊙

کوئی سنتا ہی نہیں بول رہی ہوں کب سے
تیز آندھی میں کھڑی ڈول رہی ہوں کب سے

زندگی کیا ہے فقط تیز ہوا کی خواہش
جس کو کھڑکی کی طرح کھول رہی ہوں کب سے

کوئی ملتا نہیں تعبیر بتانے والا
میں کسی خواب میں پر تول رہی ہوں کب سے

زندگی زہر بھرا کوئی پیالہ ہے قمرؔ
جس میں مصری کی ڈلی گھول رہی ہوں کب سے

ماں نے میرے لیے باندھی تھی نصیحت جس میں
اُسی گٹھڑی کو قمرؔ کھول رہی ہوں کب سے

⊙

میں ہوں سورج کی پرستار مرے ساتھ نہ چل
دیکھ اے سایہء دیوار مرے ساتھ نہ چل

فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوئی ہے تجھ سے
ڈوبتی ناؤ میں اُس پار مرے ساتھ نہ چل

میں نے کب تجھ سے کہا پاؤں کی ٹھوکر بن جا
لیکن اِتنا ہے کہ بیکار مرے ساتھ نہ چل

میرا دُکھ تجھ سے چھپایا نہیں جانا پگلی
گھر کی گرتی ہوئی دیوار مرے ساتھ نہ چل

تیرے چہرے پہ نہ پڑھ لے کوئی میرے دُکھ کو
دُکھ کے ناکام اداکار مرے ساتھ نہ چل

تیرے ہوتے مری پازیب کو کچھ ہوتا ہے
کوئی سُن لے نہ یہ جھنکار مرے ساتھ نہ چل

یہ جو شہرت کا سفر ہے یہ عجب ہے پیارے
گالیاں لکھتے ہیں اخبار مرے ساتھ نہ چل

مجھ کو تنہائی کے جنگل سے گزرنا ہے قمر
تجھ کو خوف آئے گا اس بار مرے ساتھ نہ چل

⊙

زنگ برتن کو لگا، کپڑے پرانے ہو گئے
لڑکیوں کو اپنے گھر بیٹھے زمانے ہو گئے

وہ بھی اب کہتے ہیں ماں تیری پسند اچھی نہیں
میرے بچے باپ سے بڑھ کر سیانے ہو گئے

کس طرح اے خواب تیری ستر پوشی میں کروں
ختم میری زندگی کے تانے بانے ہو گئے

چائے کی ٹیبل پہ بھی یکجا نہیں ہوتے ہیں ہم
سوچتی ہوں ایک گھر کے کتنے خانے ہو گئے

جان دینے کا وہ کہتے ہیں مگر دیتے نہیں
اب محبت کرنے والے بھی سیانے ہو گئے

میں قمرؔ اُس شخص کے لفظوں میں گم ہوں آج تک
بات بھی جس سے کیے کتنے زمانے ہو گئے

⊙

کون ہے سورج کون ہے سایہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
کس نے پہلے ہاتھ چھڑایا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

جس کی خاطر ساحل ساحل سیپیاں چنتے بیت گئی
کیوں وہ موتی ہاتھ نہ آیا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

کس کو کتنا نام ملا اور کس کو کیا الزام ملا
کس نے کس کا وقت گنوایا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

کس نے کتنی آس بندھائی کس نے کتنی جان چھڑائی
کس نے کتنا ساتھ نبھایا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

ہم جو تعلق کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوئے
جیون میں یہ دن کیوں آیا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

اس کی باتیں سننے والے تیرے جیسے لگتے تھے
کس کو قمر نے حال سنایا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

⊙

میں اپنی ضد سے کسی طور ہٹ نہیں سکتی
کسی کی ہو کے بھی دُنیا سے کٹ نہیں سکتی

مرا یہ دُکھ ہے کہ ساحل پہ ایک لہر کے ساتھ
میں آ گئی تھی مگر اب پلٹ نہیں سکتی

یہ لوگ کیوں مجھے تقسیم کرنا چاہتے ہیں
میں ٹوٹ سکتی ہوں حصوں میں بٹ نہیں سکتی

بندھے ہوئے ہیں مرے ہاتھ پیٹھ پر لیکن
تجھے گلہ ہے میں تجھ سے لپٹ نہیں سکتی

☆ قمر میں اُس کو بلاؤں سہیلیوں میں کیا
اُسے تو دیکھ کے اُنگلی بھی کٹ نہیں سکتی